قسط۔ ۳

اُسوۂ حسینی

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

حضرت امام حسینؑ کی جنگ
اور
رواداری و صلح پسندی کے حیرت انگیز مظاہرات

مذکورۂ سابق صورتِ حال کے بعد جب کہ شرائط صلح بالکل پامال ہو چکے تھے، آپ اگر جنگ پر تیار ہو جاتے تو کسی کو الزام دینے کا حق نہ تھا مگر کیا کہنا فرزند رسولؐ کی رواداری کا کہ وہ اس کے بعد بھی جنگ پر آمادہ نہ ہوئے۔ ان کا نصب العین یہی رہا کہ میں حمایتِ باطل سے علیحدہ رہوں لیکن امن سوزی و خونریزی کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ ہو۔

آپ نے مذکورۂ بالا خلاف ورزیوں کے بعد وہی طرزِ عمل اختیار کیا جو ہر شائستہ اور پر امن جماعت کے اندر اس قسم کی غیر آئینی باتوں کا اختیار کیا جاتا ہے۔

یعنی آپ نے ایک مکتوب کے ذریعہ سے جو حاکم شام کو تحریر فرمایا تھا۔ مذکورۂ بالا باتوں پر احتجاج ضرور فرمایا۔ مکتوب طولانی ہے۔ جس کے ضروری اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

''الست القاتل حجرا اخاکندۃ والمصلین العابدین الذین کانوا ینکرون الظلم ویستعظمون البدع ولا یخافون فی اللہ لومۃ لائم ثم قتلتھم ظلما وعدوانا من بعد ما کنت اعطیتھم الایمان المغلّظۃ والمواثیق الموکّدۃ لا تاخذھم بحدث کان بینک وبینھم ولا باحنۃ تجدھا فی نفسک''۔

''کیا تم نے نہیں قتل کیا ہے حجر کو جو قبیلۂ کندہ سے تھے؟ اور ان نماز گذار عابدوں کو جو ظلم کو برا سمجھتے اور بدعتوں کو بڑی گراں چیز خیال کرتے اور خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کے برا بھلا کہنے کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ پھر طرہ یہ کہ تم نے ان کو ظلم وعداوت سے اس وقت قتل کیا جب کہ تم ان کو بڑی بڑی قسموں اور مضبوط وعدوں کے ساتھ اس بات کا اطمینان دلا چکے تھے کہ تم ان سے کسی اس خصومت کا بدلہ نہ لوگے جو تمہارے ان کے درمیان میں رہی ہو اور نہ کوئی عداوت نکالوگے جو تمہارے دل میں پائی جاتی ہو۔''

''اولست قاتل عمرو بن الحمق الخزاعی صاحب رسول اللہ العبد الصالح الذی ابلتہ العبادۃ فنحل جسمہ واصفر لونہ بعد ما أمنۃ واعطیتہ من عھود اللہ ومواثیقہ مالوا عطیتھا طائرا لنزل الیک من راس الجبل ثم قتلتہ جرأۃ علیٰ ربک و استخفافا بذالک العھد''۔

''کیا تم نے عمرو بن حمق خزاعی کو نہیں قتل کیا جو رسالت مآبؐ کے صحابی اور ایسے نیک بندہ تھے جن کو عبادت نے پژمردہ کر دیا تھا اور اس سے ان کا جسم لاغر اور رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ جب کہ تم نے ان کو امان دی تھی اور عہد کیا تھا ایسی قسموں کے ساتھ کہ اگر کسی پرند طائر سے اسی طرح قسمیں کھائی جائیں

تو وہ اطمینان کرلے اور پہاڑ پر سے اتر کر تمہارے پاس آجائے۔مگر اس کے بعد تم نے انہیں قتل کردیا اور اس طرح نہ خدا کا خوف کیا نہ اس عہد کا احترام۔‘‘

’’الست المدعی زیاد بن سمیّۃ المولود علیٰ فراش عبید ثقیف فزعمت انہ ابن ابیک وقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم الولد للفراش وللطاہر الحجر فترکت سنۃ رسول اللّٰہ تعمدًا و تبعت ہواک بغیر ہدی من اللّٰہ ثم سلّطنہ علی العراقین یقطع ایدی المسلمین وارجلھم وبسمل اعینھم ویصلبھم علیٰ جذوع النّخل‘‘۔

’’کیا زیاد بن سمیہ جو قبیلہ بنی ثقیف کے ایک ذلیل و حقیر غلام کے بستر پر پیدا ہوا تھا، اس کو تم نے اپنے ساتھ ملحق نہیں کیا اور یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ تمہارے باپ کی اولاد ہے۔ حالانکہ رسالتؐ مآب کی حدیث ہے کہ اولاد اسی سے ملحق ہے جس کا بچھونا ہو اور زنا کار کے لئے خاک پتھر ہے اور بس۔مگر تم نے جان بوجھ کر سنتِ رسولؐ سے مخالفت کی اور بغیر کسی دلیل کے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی۔ پھر اس کو تم نے عراق، عرب اور عجم پر مسلّط کردیا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں قطع کرتا اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھرواتا اور ان کو درختوں پر سولیاں دلواتا ہے۔‘‘

’’اولست صاحب الحضر میین الذین کتب فیھم ابن سمیّۃ کانوا علیٰ دین علیؑ فکتبت الیہ ان اقتل کل من کان علیٰ دین علیؑ فقتلھم ومثل بھم بامرک‘‘

’’کیا تم اس حضرمی جماعت کے خون کے ذمہ دار نہیں ہو جن کے بارے میں زیاد نے لکھ دیا تھا کہ یہ علیؑ کے دین پر ہیں، تم نے لکھا کہ جو شخص علیؑ کے دین پر ہو اسے قتل کر ڈالو۔اس نے انھیں قتل کرادیا اور ان کے اعضاء و جوارح کو قطع کیا تمہارے حکم سے۔‘‘

’’ولعمری ماوقیت بشرط ولقد نقضت عھدک بقتلک ھٰؤلآءِ النفرَ قتلتھم بعد الصلح والایمان والعھود والمواثیق تقتلھم من غیر ان یکونوا قاتلوا وقتلوا ولم تفعل ذلک لھم الا الذکرھم فضلنا وتعظیمھم حقّنا‘‘۔

’’حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایک شرط کو بھی پورا نہیں کیا۔تم نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا ان لوگوں کے قتل کے ساتھ جنہیں تم نے صلح ہوچکنے اور عہد و پیمان ہوجانے کے بعد قتل کیا، تم نے انہیں قتل کیا بغیر اس کے کہ انہوں نے جنگ کی ہوتی اور کسی کو قتل کیا ہوتا اور تم نے جو کچھ کیا وہ صرف اس بناء پر کہ وہ ہمارے فضائل کو ذکر کرتے اور ہمارے حقوق کی معرفت رکھتے تھے۔‘‘

کیا دنیا میں اس قسم کی کاروائیوں کے خلاف اس سے زیادہ کوئی پرامن طریقہ ہے۔

امام حسینؑ نے رواداری سے کام لیا اور صرف احتجاج پر اکتفا فرمائی۔دس برس تک امام حسنؑ کی وفات کے بعد خاموشی کی زندگی بسر کی۔ حالانکہ اس مدّت میں کیسے صبر آزما مراحل پیش آئے۔

امام حسنؑ کی وفات اور رسولؐ کے روضہ میں دفن سے ممانعت، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔حسینؑ! جن کی شجاعت، جن کی قوت و طاقت، جن کی ہمت و جرأت کا واقعۂ کربلا نے دنیا سے کلمہ پڑھوادیا ہے وہ اس موقع پر خاموش رہتے ہیں۔ روضۂ رسولؐ سے پلٹا لیتے ہیں اور بقیع میں دفن کردیتے ہیں۔

یہ رواداری نہ تھی تو کیا تھی؟

یزید کی بالکل غیر آئینی خلافت کے سلسلہ میں معاویہ نے جو صورتیں اختیار کیں۔ جلسے کیے، ممالکِ اسلامیہ میں پیغام روانہ کیے، لوگوں کو بیعت پر مجبور کیا، مگر امام حسینؑ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہوئی۔

مثلاً یہ کہ اسلامی بلاد میں خطوط بھیجتے، احتجاجی جلسے

کرتے۔ یہ ثابت کرتے کہ یزید کی ولیعہدی غلط ہے۔آئین کے خلاف ہے۔حق ہمارا ہے، مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کرتے، یہ نہیں ہوا اور کوئی تاریخ دنیا کی اس قسم کی مثال پیش کرنے پر قادر نہیں ہے۔

حد یہ ہے کہ خود مدینہ منورہ میں محفلیں منعقد ہوئیں۔مکہ معظّمہ میں جب امام حسینؑ موجود تھے جلسہ کیا گیا اور لوگوں سے بیعت لی گئی۔کیا آپ اگر مخالفت کرتے تو اس کا کچھ اثر پیدا نہ ہوتا؟ لیکن آپ خاموش رہے۔ہاں بے شک خود بیعت نہیں کی۔جس کے معنی یہ تھے کہ ہم امن و امان کے طالب ہیں۔خاموشی پسند کرتے ہیں مگر حمایتِ باطل سے علیٰحدہ رہتے ہیں۔

ہم گوشہ نشین ہیں۔ہمیں دنیا سے مطلب نہیں ہے۔تمہیں جو کرنا ہے کرو۔جسے چاہو ولیعہد ، بادشاہ جو کچھ بناؤ، لیکن ہم سے مطلب نہ رکھو۔ہم سے بیعت کے خواہاں نہ ہو۔دنیا سے بیعت لے لو،لیکن ہم سے نہ لو۔ یہ اصول تھا جس پر امام حسینؑ اول سے قائم تھے اور آخر تک قائم رہے۔

جب معاویہ مدینہ منورہ آئے ہیں تو اس موقع پر انہوں نے امام حسینؑ کے سامنے بھی بیعت کی تحریک پیش کی۔مگر آپ نے مناسب طریقہ سے اس مطالبہ کو ٹال دیا اور بیعت نہیں کی۔(۱)

معاویہ نے اپنی آزمودہ کاری اور جہاندیدگی کی بناء پر آپ کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اور نہ آپ کو مجبور کرنے کی ضرورت سمجھی۔کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حسینؑ امن و امان کے حامی ہیں۔ جب تک ہم خود انہیں مجبور نہ کریں گے وہ امن پسندی سے علیٰحدہ نہ ہوں گے۔لیکن اس کے بعد حاکم شام کا انتقال ہوگیا اور یزید تختِ خلافت پر متمکن ہوا باپ بیٹے میں زمین آسمان کا تفرقہ تھا۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، قاتلان حسینؑ کا مذہب، شائع کردہ امامیہ مشن پاکستان لاہور،

وہ صحابۂ رسولؐ کے زمرہ میں محسوب آپ کی بہن رسولؐ اللہ کے عقد میں تھیں، اور اس لئے آپ ''خال المومنین'' سے موسوم، بڑے بڑے اصحاب کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور سرد و گرمِ زمانہ کو برداشت کئے ہوئے، سن رسیدہ، تجربہ کار، چالاک اس لئے ہر موقع و مقام پر سمجھ بوجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت محسوس کرتے تھے ،لیکن یزید! عمر کا تقاضا جوانی کی امنگ، زندگی کے خاص مشاغل، اصحابِ رسولؐ کو چھوڑ کر دوسری قسم کے لوگوں کی صحبت، اس کا نتیجہ تھا کہ اسلامی احکام کی پابندی جس کی ظاہری طور پر ضرورت محسوس کی جاتی تھی اب بالکل ہی ملحوظ رکھنا ضروری نہ معلوم ہوتی تھی اور کسی طرح کی آئین پروری لازمی نہ تھی۔

امام حسینؑ اور ان تین دیگر اشخاص کے متعلق جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی خود معاویہ نے بھی انتقال سے پہلے یزید کو متنبہ کر دینا ضروری سمجھا تھا، اور کہا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے تمہارے متعلق خطرہ ہے۔(۱)

یزید نے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی انہی لوگوں کی طرف توجہ مبذول کرنا ضروری سمجھا اور ولید بن عقبہ کے نام خط لکھا۔اسی خط سے افتادِ طبع کا اندازہ ہوجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کس درجہ تشدد اختیار کیا جا رہا ہے معاویہ کے انتقال کا خط اور اس کے ساتھ ایک علیٰحدہ پرزے پر یہ کہ حسینؑ اور ان لوگوں کو جنہوں نے بیعت نہیں کی ہے فوراً بیعت پر مجبور کرو، سختی سے کام لو، کسی قسم کی رعایت نہ ہونے پائے اور نہ مہلت دی جائے۔(۲)

یہ خط ولید کے پاس پہنچا اور ولید نے مروان سے مشورہ کیا۔مروان کی وہ ہستی ہے جو تمام تاریخوں کے متفقہ فیصلہ سے

(۱) ملاحظہ ہو، ہمارا رسالہ ''مجاہدۂ کربلا'' ص،۱۱۔

(۲) ان واقعات کو ہم نے تفصیل سے ''مجاہدۂ کربلا'' میں لکھا ہے اس لئے اس موقع پر صرف واقعات کے حوالہ اور ان کے نتائج پر اکتفاء کریں گے۔

خلیفۂ ثالث کے قتل کی ذمہ دار قرار پاتی ہے جنگِ جمل میں طلحہ پر تیر لگانا بھی اسی کا کام تھا اور امام حسنؑ کی وفات کے بعد آپ کو قبرِ رسولؐ کے پہلو میں دفن سے روکنے والی بھی یہی ذات تھی۔ ایسے شخص سے مشورہ کیا جا رہا ہے تو معلوم ہے کہ کیسا مشورہ ملے گا۔

مشورہ یہ ملا کہ ابھی ان لوگوں کو بلا کر بیعت طلب کرو۔ اگر منظور کریں تو خیر، نہیں تو ابھی قتل کرا دو۔

آدمی گیا اور امام حسینؑ و عبداللہ بن زبیر کو طلبی کا پیغام پہنچا دیا۔ امام حسینؑ ولید کے پاس تشریف لائے، مروان بیٹھا ہوا تھا۔

امامؑ کے ساتھ آپ کے اعزا و انصار کی ایک کافی جماعت مسلح و مکمل موجود تھی جس کو آپ نے دروازہ پر کھڑا کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جب میں تمہیں بلاؤں یا ولید کی آواز بلند ہو تو تم اندر داخل ہو جانا۔

ولید نے معاویہ کے انتقال کی خبر اور بیعت کا پیغام دیا جسے سن کر حضرت نہ برافروختہ ہوئے نہ غصّہ کا مظاہرہ کیا۔ بلکہ یہی چاہا کہ معاملہ کسی طرح ٹل جائے اور فرمایا۔

''اچھا! تو مجھ ایسے شخص سے تم بیعت لو گے تو اس پر تو راضی نہ ہو گے کہ میں مخفی طور سے بیعت کر لوں اور چلا جاؤں جب تک کہ اس کا عام طور سے علانیہ اظہار نہ ہو۔''

ولید نے کہا، ''بے شک''

آپ نے فرمایا۔ تو ''جس وقت تم معاویہ کی وفات کا اظہار کرنا اور عام لوگوں سے بیعت لینا تو مجھ سے بھی کہنا۔''

ولید نے منظور کیا۔ مروان نے دیکھا کہ میرا مقصد پامال ہو گیا۔ بگڑ کے بولا ''اگر اس وقت حسینؑ ہاتھ سے نکل گئے تو پھر بغیر شدید خونریزی کے ہاتھ نہ آئیں گے ابھی انہیں جانے نہ دو جب تک بیعت نہ کر لیں یا قتل کئے جائیں۔''

امام حسینؑ کو غیظ آ گیا اور فرمایا: ''کیا مجال تیری یا ولید کی جو مجھے قتل کر سکے۔'' یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے آئے۔

یہ معلوم ہے کہ جب ایک بادشاہ دنیا سے جاتا ہے تو لوگوں میں خاص طور سے اضطراب ہو جاتا ہے اور نظامِ حکومت بھی انتہائی کمزور اگر آپ چاہتے تو چونکہ اس وقت مدینہ میں ولید کے پاس کوئی فوج نہ تھی نہ لشکر، ولید کو قتل کر دیتے اور مروان کا کام تمام کر دیتے تو آپ دیکھتے وقتی حیثیت سے مدینہ میں امام حسینؑ کی سلطنت ہوتی اور آپ کو موقع ہوتا کہ پھر اطراف و جوانب میں خطوط لکھ کر دوسرے لوگوں کو اپنے سے متفق کریں، مگر یہ تو آپ کو منظور ہی نہ تھا۔ آپ تو بس یہ چاہتے تھے کہ بیعت نہ کریں۔ حمایتِ باطل سے علیٰحدہ رہیں اور بس! اس لئے آپ نے مدینہ چھوڑنا گوارا کیا اور کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔

امامؑ نے مدینہ سے ہجرت کی۔ کہاں تشریف لے گئے؟ مکہ معظّمہ، مکہ معظّمہ میں آپ کا تشریف لے جانا درحقیقت اس بات کا عملی ثبوت پیش کرنا تھا کہ آپ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اپنی زندگی کو خطرہ سے محفوظ کریں اور باطل کی حمایت سے الگ رہ کر زندہ رہیں، اس لئے کہ مکہ معظّمہ لڑائی کی جگہ نہیں پناہ کی جگہ ہے۔

مکہ معظّمہ وہ جگہ ہے جس کو امن الناس قرار دیا گیا ہے آپ کا مکہ معظّمہ میں جا کر ٹھہرنا یہ اس بات کا عملی ثبوت پیش کرنا تھا کہ ہم کوئی بغاوت کرنا نہیں چاہتے اور کسی جماعت کے خلاف کوئی معاندانہ طرزِ عمل اختیار نہیں کرتے ہم کو چھوڑ دو، گوشہ انزواء ہی میں سہی مگر ہم کو بیعت پر مجبور نہ کرو۔ وہی ایک اصول کہ ''جیو اور جینے دو۔''

مکہ معظّمہ میں آنے کے بعد دنیا کی کوئی تاریخ اس بات کا پتہ نہیں دے سکتی کہ آپ نے کچھ خطوط لکھے ہوں، کچھ لوگوں کو مکہ معظّمہ کے اندر اپنی طرف دعوت دی ہو یا کچھ لوگوں کو باہر سے بلایا ہو یا لشکر کشی اور فوج کی فراہمی میں کسی

قسم کا کوئی قدم اٹھایا ہو آپ کی زندگی ایک خاموش زندگی معلوم ہوتی ہے۔

عبداللہ بن زبیر بھی مکہ معظّمہ میں تھے اور پہلے لوگ ان کے گرد آکر بیٹھا کرتے تھے لیکن جب سے آپ تشریف لائے تمام لوگوں نے عبداللہ کو چھوڑ دیا اور آپ کے گرد پروانہ وار مجتمع ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ جناب رسالت مآبؐ سے جو نسبت آپ کو تھی اور مکہ والوں کو جتنی آپ کی ہستی عزیز ہو سکتی تھی اتنی عبداللہ بن زبیر کی نہیں تھی۔ عبداللہ کے لئے تو اتنی بڑی جماعت فراہم ہو سکی کہ وہ ایک عرصہ تک حکومتِ شام سے برسرِ پیکار رہ سکے، تو امام حسینؑ کے لئے یہ کیوں ممکن نہ ہوتا؟ مگر آپ نے مکہ معظّمہ میں خاموشی کے ساتھ قیام کیا۔ نہ کوئی عملی قدم اٹھایا اور نہ کسی شورش کی تدبیریں کیں جس شخص نے مکہ معظّمہ میں قیام اختیار کیا ہو وہ کیا یہ ثبوت پیش نہیں کر رہا ہے کہ وہ کسی سے جنگ کرنا نہیں چاہتا؟ یقیناً آپ اپنی خاموشی کے ساتھ اعلان کر رہے تھے کہ ہم دنیا میں امن کے خواہاں ہیں۔ چاہتے ہیں کہ دنیا میں امن وسکون رہے مگر ہم بھی اپنے اس حق کے ساتھ جس پر اب تک قائم ہیں، قائم رہیں، امن وامان بھی ہو اور باطل کی حمایت بھی نہ ہونے پائے۔

عراق والوں کو خبر معلوم ہوئی کہ امام حسینؑ نے اس طرح بیعت سے انکار کیا ہے۔ سلیمان بن صرد کے گھر اجتماع ہوا اور امامؑ کے نام عرضداشت تحریر کی گئی کہ آپ یہاں تشریف لائیے۔ ہم آپ کی امداد کے لئے تیار ہیں۔

اس کے بعد اور خطوط روانہ ہوئے۔ کوفہ کی فضا وقتی حیثیت سے درست تھی کچھ لوگوں نے دھوکا کھایا، کچھ نے دھوکا دیا۔ غرض ۵۳ عرضداشتیں دو دن کے اندر حضرت کی خدمت میں روانہ ہو گئیں اور اس کے بعد بھی خطوط کا سلسلہ قائم رہا۔

ان تحریروں کی نوعیت کیا تھی؟ ان کا حقیقی مقصد کیا ہو سکتا تھا؟ ان سب لوگوں کو واقعی ہمدردی ہی تھی یا کچھ لوگوں کے دل میں اغراضِ فاسدہ کام کر رہے تھے؟ یہ سب چیزیں میرے موضوع سے خارج ہیں ان کو میں نے اپنے رسالہ ''قاتلانِ حسینؑ کا مذہب'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔

میرا موضوع تو اس وقت یہ ہے کہ امام حسینؑ کے طرزِ عمل میں روادارانہ پہلو کس حد تک پایا جاتا ہے اور آپ نے کس کس طرح صلح پسندی کا ثبوت دیا ہے۔

مجموعی خطوط کی تعداد سینکڑوں تک پہنچی اور خورجینیں مملو ہو گئیں۔ ان خطوط میں کیا تھا؟ یہ تھا کہ ''ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ نعمان بن بشیر کے ساتھ ہم نماز نہیں پڑھتے جمعہ وجماعت میں شریک نہیں ہوتے، اگر آپ تشریف لے آیئے تو شاید ہم حق پر مجتمع ہو جائیں۔ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لاتے ہیں تو نعمان بن بشیر کو نکال باہر کریں اور اسے شام جانے پر مجبور کر دیں۔''

امام حسینؑ نے ان خطوط کو ملاحظہ فرما کر مصلحتِ وقت کی بنا پر مناسب سمجھا کہ اپنے چچا زاد بھائی جناب مسلمؑ بن عقیل کو کوفہ روانہ کریں کہ وہ حالات کا مطالعہ کر کے اطلاع دیں اور پھر اس کے مطابق صورتِ عمل کا تعین ہو۔

اس موقع پر جو خط آپ نے اہلِ کوفہ کے نام تحریر فرمایا اس کا مضمون قابل ملاحظہ ہے(۱)

''یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کا جماعت مومنین ومسلمین کی طرف۔ ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر میرے پاس آئے (یہ ''ہانی''، ہانی بن ہانی سبیعی اور ''سعید'' سعید بن عبداللہ حنفی، یہ دونوں سب سے آخری خط لے کر آئے تھے جو آپ کی روانگی کا قریبی محرک تھا، اس لئے آپ نے انہی کا حوالہ دیا ہے۔)

یہ آخری دو شخص تھے جو میرے پاس تمہارے خطوط لے کر آئے میں نے، جو کچھ تم نے لکھا تھا اس کو غور سے پڑھا،

---

(۱) خط کی اصلی عبارت کے لئے ملاحظہ ہو ''مجاہدۂ کربلا'' ص، ۴۴۔

تمہارے اکثر خطوط کا مفاد یہ ہے کہ ہمارے لئے کوئی امام نہیں ہے آپ آیئے تو شاید آپ کی بدولت خدا ہم کو حق پر مجتمع کردے۔ اچھا تو میں بھیجتا ہوں تمہاری طرف اپنے بھائی چچا کے بیٹے اور اپنے گھرانے والوں میں سے ایسے شخص کو جس پر مجھ کو اعتبار ہے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ یہ وہاں جا کر مجھ کو تمہارے آراء وخیالات سے مطلع کریں۔ اگر انہوں نے مجھ کو تحریر کیا کہ تمہارے خیالات وہی ہیں جو تم نے اپنے خطوط میں تحریر کئے ہیں اور صرف عوام نہیں بلکہ تم میں کے ذمہ دار افراد بھی اس پر متفق ہیں تو میں انشاء اللہ تمہاری طرف بہت قریبی زمانہ میں روانہ ہوجاؤں گا۔''

ان کے خطوط میں یہ بھی درج تھا کہ اگر آپ آجائیں تو ہم نعمان کو باہر نکال دیں اور آپ کو حاکم بنادیں۔ اس لئے حضرت نے آخری الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ جو انتہائی توجہ کے مستحق ہیں۔

''ماالامام الاالعامل بالکتاب والأخذ بالقسط والدائن بالحق والحابس نفسه علیٰ ذات اللہ''۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ امام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ تاج وتخت کا بھی مالک ہو، یا ظاہری ساز وسامان رکھتا ہو۔ قصر حکومت میں مقیم ہو۔''امام وہ ہے جو کتابِ خدا کے ساتھ فیصلہ کرے۔ حق پر قائم رہے اور خدا کی مرضی پر اپنی ذات کو قائم رکھے۔''

گویا حضرت کا مقصد ہے کہ یہ سمجھنا کہ میں جو آرہا ہوں تو کسی کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا یا تختِ سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے آرہا ہوں۔ بلکہ مجھے ہدایتِ خلق منظور ہے کتابِ الٰہی اور سنتِ رسالت پناہی کا اجراء مقصود ہے۔

دیکھئے خط میں اشارہ تک نہیں ہے کہ ہمارا سفیر جب تمہارے پاس پہنچے تو کوفہ کے حاکم کو باہر نکال دینا۔ ہمارے سفیر اور ہمارے فرستادہ کو حکومت کا نظم سپرد کردینا، اس وقت میرے آنے کی امید کرنا، بالکل نہیں، اس میں کسی قسم کی لشکر کشی وفوج آرائی کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ صرف احکامِ کتاب اللہ کی نشر واشاعت جو ایک حقیقی معلّمِ مذہب اور رہنمائے امت کا فرض ہوسکتا ہے اسی کو نصب العین قرار دیا گیا ہے۔

اگر دنیا بھی رواداری مسلک کی سالک ہوتی تو امامؑ کا طرزِ عمل ذرا بھی فتنہ وفساد کا موجب نہیں ہوسکتا تھا آپ کوفہ تشریف لے جاتے، وہاں کے حالات کی اصلاح ہوتی اور پھر کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچتا، نہ خونریزی کا ذرّہ بھر بھی شائبہ پیدا ہوتا لیکن وہ جماعت جسے ملّتِ اسلامیہ کی مذہبی واقفیت اور شرعی پابندیوں کا احساس ہی اپنے لئے ایک صدمۂ جانکاہ معلوم ہوتا ہو۔ اس کے لئے آپ کا اتنا ہی طرزِ عمل ہزار مصائب کا پیش خیمہ معلوم ہوسکتا ہے۔

حضرت مسلمؑ جو آپ کی تحریر کے مطابق آپ کے معتمدِ خاص اور قابلِ اعتبار تھے۔ وہ یقیناً آپ کی تعلیم سے یک سر مُو انحراف نہ کرسکتے تھے۔ اس لئے ان کے طرز عمل کو دیکھنا بھی جو انہوں نے کوفہ میں اختیار کیا بہت حد تک امامؑ کے مقصد کو روشن بنا سکتا ہے۔

مادی نقطۂ نظر سے کہ جس کے لئے ظاہری طور پر اہلِ کوفہ امام حسینؑ کو دعوت دے رہے تھے۔ حضرت مسلمؑ جب حضرتؑ کی طرف سے نائبِ خاص بنا کر بھیجے گئے ہیں تو وہ ایک حاکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو وقتی طور سے حکومت کے لئے بھیجے جارہے ہیں۔ اس کا اقتضاء یہ تھا کہ حضرت مسلمؑ اپنے لئے ظاہری شان وشوکت، تمکنت واقتدار کا اہتمام کرتے۔ کوفہ میں پہنچنے سے پہلے ایک دو دن کہیں ٹھہرتے، اہل کوفہ کو اپنے آنے کی اطلاع دیتے۔ لشکر کی تیاری کا حکم کرتے اور تمام اہل کوفہ کو استقبال کے لئے بلا کر انتہائی ساز وسامان کے ساتھ حاکمانہ شان سے کوفہ میں داخل ہوتے، پھر نعمان بن بشیر کا کوفہ کے دارالامارہ سے اخراج کرتے اور خود دارالامارہ پر قبضہ

کرکے اس میں قیام فرماتے۔

مگر علیؑ کے بھتیجے اور حسینؑ کے سفیر نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ یہ کہ فقیرانہ لباس میں بغیر کسی سابقہ اطلاع یا تزک و احتشام کے کوفہ میں داخل ہو گئے۔ نعمان بن بشیر دارالامارہ کے اندر تخت وتاج کا مالک۔ حضرت مسلمؑ کو نہ اس سے کوئی مطلب اور نہ تعرض۔ آپ جاتے ہیں اور ایک متوسط الحال انسان مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے مکان میں فروکش ہو جاتے ہیں۔

وہاں اجتماع ہوتا ہے تو امامؑ کا خط پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور بس۔

لوگ امامؑ کی اطاعت اور محبت والفت کا عہد و پیمان کرتے ہیں اور آپ ان سے بیعت لیتے ہیں۔ یہ بیعت اس کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کوئی بغاوت برپا کرنا چاہتے ہیں یا ایک سلطنت کی بنیاد قائم کر رہے ہیں۔

بیعت کا مفادِ اصلی ایک معاہدہ اور قرارداد سے آگے نہیں ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک رسم ہوتی ہے اور وہ رسم اس حقیقت کی مظہر، جیسے ہمارے یہاں کی عام خلقت میں بھی کسی بات کا عہد و پیمان ہوتا ہے تو کہتے ہیں ''لاؤ ہاتھ تو ملاؤ'' یہ ایک مظاہرہ ہوتا ہے دست بدست ہونے کا۔

یوں ہی عرب میں جس وقت خرید وفروخت کا مسئلہ بائع ومشتری کے درمیان طے پاتا تھا تو ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے۔ جس کی وجہ سے معاملہ بیع کے لئے صفقہ کے لفظ کا استعمال ہونے لگا۔ اسی طرح مختلف قسم کے معاہدات جو ہوتے تھے تو ان میں کوئی مظہرِ عملی شرکائے معاہدہ کے درمیان عمل میں آتا تھا۔ جو کبھی خصوصی حیثیت سے ایجاد کیا جاتا تھا۔ جیسے ایک مخصوص جنگ کے لئے عہد و پیمان اور قسم لئے جانے کے موقع پر منشم عورت کے یہاں کا عطر تھا جس میں سب نے انگلیاں ڈبوئی تھیں، اور یہ مظاہرہ تھا اس معاہدہ کی تکمیل کا اور چونکہ اس جنگ میں ہزاروں آدمیوں کی خونریزی ہوئی اس لئے یہ مثل عرب کی ہوگئی کہ ''**الشئام من عطر منشم**'' یعنی یہ چیز منشم کے عطر سے زیادہ منحوس ہے۔'' اسی طرح عمومی طریقہ معاہدہ کا جو تھا وہ بیعت یعنی ''ہاتھ میں ہاتھ دینا۔ یہ رمز ہوتا تھا اس بات کا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور قرارداد پر قائم رہوں گا۔''

تو اس بیعت سے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیے کہ بیعت تو سلطنت ہی کے لئے ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ نے جو بیعت لی تو آپ یقینا یزید کے خلاف حکومت کی بنیاد قائم کر رہے تھے۔

ایسا نہیں ہے۔ آج بھی پیرو مرید کے درمیان بیعت کا طریقہ جاری ہے لیکن اس میں نہ کوئی فوج کشی ہوتی ہے، نہ سلطنت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

یہ بیعت جو حضرت مسلمؑ نے لی یہ بھی اسی قرارداد کی پہچان تھی کہ ہم حضرت امام حسینؑ کی پیروی اور حضرتؑ کے اتباع پر آمادہ ہیں اور حضرت کی حفاظت وحمایت میں بجان و دل کوشاں رہیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے مذہبی عقیدہ میں سلطنت اہلِ بیتؑ کا حق تھی اور یہ تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل بیتؑ اپنے تئیں خلافت وامامت وامارتِ مسلمین کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ لہٰذا اگر حقیقتاً امام حسینؑ خلافت کے طالب بھی ہوتے اور یہ بیعت جو اہلِ کوفہ سے لی گئی وہ تشکیلِ سلطنت ہی کے لئے ہوتی تب بھی حقانیت، صداقت، اور مذہبی حیثیت سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہوتا۔ ایک شخص اپنا حق سمجھتا ہے اس کو طلب کرتا ہے اور دوسروں کو اس کے تسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

کوئی الزام مذہبی حیثیت سے امام حسینؑ کے دامن پر نہیں آتا۔ مگر چونکہ دنیا میں آئین پسندی، وحق پرستی اور چیز ہے اور جہانبانی و جہانداری اور چیز اس صورت میں دنیا کو یہ کہنے کا حق ضرور پیدا ہوتا کہ یزید مذہبی حیثیت سے حق نہ سہی، لیکن ہم معاویہ کے زمانہ سے اس سلطنت کو خلافتِ راشدہ اور امامتِ حقہ تھوڑی سمجھتے ہیں۔ ہماری نظر میں وہ سلطنت ہے اور

ملوکیت ، جہانداری و جہانبانی کا تقاضا یہی ہے کہ جو شخص بھی مقابلہ پر آمادہ ہو چاہے وہ کتنا ہی حقدار کیوں نہ ہو۔لیکن جب ہمارے مقابل ہوتو سیاست جابرہ کے عمل میں اسے پامال ہی کردیا جائے اور اس کی زندگی کو فنا، لہٰذا یزید نے جو کچھ کیا وہ مذہبی حیثیت سے حق بجانب نہ سہی لیکن جابرانہ سیاست کے رُو سے اور ملوکانہ اصول کے تحت اس کو کرنا یہی چاہیئے تھا۔جو اس نے کیا۔بادشاہِ وقت کے خلاف کھڑا ہونے والا کتنا ہی حقدار ہو مگر اصولِ بادشاہت کے تحت نظم ونسق کی حفاظت میں وہ قتل ضرور کیا جائے گا۔

لیکن میرے مذکورہ بالا بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ملوکانہ اصول کے تحت دیکھا جائے تب بھی امام حسینؑ کے خلاف یزید کا اقدام حق بجانب نہیں معلوم ہوتا۔یعنی شاہی اور جہانبانی کے آئین و اصول کی رو سے بھی امام حسینؑ کا کوئی طرزِ عمل باغیانہ نہ تھا۔اور شورش انگیزی کی صورت نہیں تھی۔

آپ صرف ہدایتِ خلق، امورِ مذہبی کی اصلاح اور روحانی تربیت کے لئے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، آپ چاہتے تھے کہ میں کسی طرح موقع پاؤں اور دنیا کو اخلاق و تہذیب اور تعلیماتِ اسلامی کے سکھانے کا فرض انجام دے سکوں۔آپ نے اسی کو ان الفاظ میں تحریر کیا تھا۔کہ ''امام وہ ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرے اور سنّت رسولؐ پر پابندی کے ساتھ قائم رہے۔اپنے نفس کو خدا کی مرضی پر منحصر رکھے۔''

آپ یہ چاہتے تھے۔''سلطنت تم کو مبارک (حکومت تم کو مبارک) مگر فرائضِ اسلام میں تغیّر وتبدل نہ ہو۔اسلام کی تعلیم اور دنیا کی اخلاقی تربیت کا ہم کو موقع حاصل رہے بس یہ صورت امام حسینؑ کے طرزِ عمل میں نمایاں ہے۔''

اگر مادی حیثیت سے آپ یزید کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھانا چاہتے تو کیا اس کی تیاریاں ایسی ہی ہوتیں جیسی آپ نے کیں؟ بے شک حسینؑ یزید کی سلطنت کے تختہ کو الٹنا چاہتے تھے مگر سلطنت حاصل کر کے نہیں بلکہ اپنی جان دے کے۔

یقیناً اگر اس حیثیت سے امامؑ کامیابی حاصل کرنا چاہتے تو وہ کامیابی محدود حیثیت رکھتی۔اس صورت میں کہ جب کوفہ میں حالات سازگار ہوتے اور سب لوگ آپ کی بادشاہت تسلیم کرلیتے تو بھی کیا ہوتا؟ وہی جو امیرالمومنینؑ کو ضروریاتِ وقت سے مجبور ہوکر گوارا کرنا پڑا تھا۔یعنی عراق کی حکومت امام حسینؑ کے پاس اور شام کی حکومت یزید کے پاس ہوتی۔ دونوں طرف کی حکومتوں میں مقابلہ ہوتا رہتا۔مسلمانوں کی طاقتیں آپس میں لڑ کر پاش پاش ہوتی رہتیں۔مگر امام حسینؑ نے جان دے کر جو کامیابی حاصل کی وہ نہ باعتبار حدودِ مملکت محدود تھی اور نہ باعتبار حدودِ زمانہ محدود۔اس طرح کی فتح جو حسینؑ نے اپنے قتل کے ذریعہ سے حاصل کی۔وہ ایسی تھی کہ ادھر کوفہ کے اندر اضطراب ہوا ادھر حجاز کے اندر تہلکہ پیدا ہوا اور خود شام میں جہاں یزید کے فدائی تھے اور وہ بنی امیہ کے نام پر جان دیتے تھے یہ احساس پیدا ہوا کہ حق کس طرف تھا۔اس کا نتیجہ تھا کہ اموی تختِ سلطنت الٹا اور اس طرح کہ دنیا میں اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

یہی وہ فتح ہے جو امام حسینؑ نے قتل ہوکر حاصل کی جو زندگی میں آپ کو کبھی حاصل نہ ہوسکتی تھی۔امام حسینؑ یہ ضرور چاہتے تھے کہ میں یزید کے تختِ سلطنت کو برباد کروں۔مگر اس طرح نہیں کہ آپ کے ہاتھوں مسلمانوں کی خونریزی ہو، دنیا قتل ہو، جنگ کے شعلے بلند ہوں اور بعد اس کے یزید کی سلطنت کو رخنہ آئے بلکہ آپ چاہتے تھے کہ خود اپنے تئیں تیرو نیزہ وشمشیر کے حوالہ کریں اور اس طرح تختِ سلطنتِ یزید کو تباہ کردیں۔

یہ تھا امام حسینؑ کا طرزِ عمل اور یہ تھی آپ کی سیاست جو آخر وقت تک قائم رہی۔امام حسینؑ نے جہاں تک موقع ملا جنگ سے کنارہ کشی کی آپ جانتے تھے کہ نتیجہ قتل ہونا ہے لیکن

آپ حفاظتِ خود اختیاری کی ایسی صورتیں بھی اختیار کر رہے تھے کہ خودکشی کا الزام آپ کی طرف عائد نہ ہو۔

آپ شرائط پیش کرتے تھے۔آپ ایسے مواقع بہم پہنچاتے تھے کہ ''حمایتِ باطل'' سے الگ رہتے ہوئے کسی صورت سے آپ کی جان محفوظ رہے۔مگر جس وقت یہ جواب ملا کہ یزید کے ساتھ ''بیعت'' یعنی معاہدۂ اطاعت کرو تو یہ حمایتِ باطل کا سوال تھا۔اس کے لئے امام حسینؑ کسی صورت سے تیار نہ تھے کہ آپ اپنے اس مسلک کو جو آپ نے مذہبی نقطۂ نظر سے دیانتداری کی بنا پر طے کیا تھا۔اس کو ایک لحظہ کے لئے بھی ترک کر دیں۔

آپ کا طرزِ عمل شروع سے یہی قائم رہا۔امن پسندی کا عنصر برابر کارفرما رہا۔حضرت مسلمؑ کی بیعت اٹھارہ ہزار کوفہ کے لوگوں نے کی۔مگر اس کے بعد بھی انھوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔پھر بھی وہ اسی مختار کے گھر میں مقیم رہے۔نعمان بن بشیر کو اسی طرح تختِ حکومت پر رہنے دیا۔

خود نعمان کو اس کا احساس تھا کہ جناب مسلمؑ کا طرزِ عمل معاندانہ نہیں ہے۔جب لوگوں نے کہا کہ مسلمؑ بیعت لے رہے ہیں اور اس طرح کے سامان کر رہے ہیں اور تم خاموش بیٹھے ہو کوئی قدم نہیں اٹھاتے تو نعمان نے جواب دیا۔''**لا اقاتل الا من قاتلنی ولا اثب الاعلیٰ من وثب علیّ ولا أخذ بالفرقة والظنّة فمن ابدیٰ صفحته ونکث بیعته ضربة بسیقی ماثبت قائمه فی یدی ولو لم اکن الاّ وحدی**''۔

''میں بس اسی شخص سے جنگ پر تیار ہوں جو مجھ سے جنگ کرے اور اسی پر حملہ کر سکتا ہوں جو مجھ پر حملہ کرے اور میں بدگمانیوں اور سوءِ ظن کی باتوں پر عمل نہیں کرتا۔ہاں جو شخص منہ در منہ میرے سامنے آئے اور بغاوت پر آمادہ ہو اس کا تلوار سے مقابلہ کروں گا۔جب تک قبضہ میرے ہاتھ میں رہے چاہے کوئی میرا ساتھ دینے والا نہ ہو اور میں تنہا ہوں''۔(۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نعمان بھی اس بات کا احساس رکھتا تھا کہ مسلمؑ کوئی باغیانہ قدم نہیں اٹھا رہے ہیں۔

اس کے بعد ان اسباب کی بناء پر جو ہم نے ''قاتلانِ حسینؑ کا مذہب'' رسالہ میں لکھے ہیں نعمان بن بشیر معزول کیا گیا اور عبداللہ بن زیاد کوفہ کا گورنر مقرر ہوا اور پر امن وصلح پسند، خاموش وگوشہ گزین مدینہ کا رہنے والا پردیسی مسافر (مسلم بن عقیلؑ) بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔

مگر افسوس ہے کہ حضرت مسلمؑ بیعت کرنے والی جماعت کے جوش وخروش کو دیکھ کر امام حسینؑ کو اطلاع دے چکے تھے کہ کوفہ کے لوگ آپ کی اطاعت پر آمادہ ہیں اور آپ کو تشریف لانا لازمی ہے۔

اس کے بعد شریعت ظاہریہ کے اصول واسباب کی بناء پر آپ کو کوفہ جانا ضروری ہو گیا تھا۔آپ نے کوفہ جانے میں جلد بازی سے کام نہیں لیا تھا۔ایک دو، دس، بیس، نہیں، تین سو سے لے کر بارہ سو تک کے اندر اندر خطوط آ چکے۔آپ کے نمائندہ خصوصی حضرت مسلمؑ کی تحریر آ چکی تھی کہ جلدی تشریف لائیے۔لیکن اس کے بعد بھی حضرتؑ زیادہ تعجیل کے ساتھ مکہ معظّمہ سے روانگی پر آمادہ نہ تھے۔خصوصاً جب کہ آپ حج کا احرام باندھ چکے تھے اور زمانہ حج کا بہت کم باقی تھا۔مگر نہ معلوم کیا تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنا ارادہ تبدیل فرمایا اور بالکل جس طرح رسالت مآبؐ نے حج کو عمرہ سے تبدیل فرمایا تھا۔اسی طرح آپ نے بھی طرزِ عمل اختیار کیا۔

کیا اس امر سے کسی خاص حقیقت کا پتہ نہیں چلتا۔ ظاہری حالات سے تو کوئی امر نمایاں نہیں ہے اور نمایاں ہو تو کیونکر۔اس لئے کہ مکہ معظّمہ میں ظاہری طور پر کوئی فوج یا لشکر نہیں ہے اگر بھیس بدلے ہوئے مختلف لباسوں کے اندر کچھ

---

(۱) اخبار الطوال، ص ۲۳۳

اشخاص ہوں تو عام نگاہیں انھیں دیکھیں تو کس طرح؟

بے شک یہ راز اس وقت کھلا جب امامؑ مکہ معظّمہ سے روانہ ہو چکے اور راستہ میں فرزدق شاعر نے حضور کی خدمت میں باریابی حاصل کی۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہؐ اتنی جلدی کا ہے کی تھی کہ حج بھی نہ کیا؟ آپ نے فرمایا ''اگر میں اتنی جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو گیا ہوتا۔''

اس کے معنی یہ ہیں کہ مکہ معظّمہ میں جو امن وامان کی جگہ ہے جو خاموش رہنے کا مقام ہے جہاں پر جنگ وجدال جائز نہیں ہے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے۔ حاجیوں کے لباس میں اور انھیں ہدایت تھی کہ منیٰ میں، عرفات میں، حالتِ طواف میں، جس جگہ بھی حسینؑ گرفتار ہو سکیں انھیں گرفتار کر لینا۔

یہ سبب تھا کہ امامؑ نے مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی غور کرنے سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ معاملہ کتنا اہم تھا اور خطرہ کس قدر نزدیک۔ جس شخص کو عبادتِ الٰہی کا انتہائی جذبہ وشوق ہو جس نے مرتے مرتے عبادت ہی کے لئے ایک شب کی مہلت مانگی ہو وہ عین حج کے موقع پر حج کو ترک کر دے۔

یقیناً آپ کو قوی اندیشہ تھا کہ اگر آپ نے مکہ معظّمہ میں قیام کیا تو بہت جلد آپ پر حملہ ہو جائے۔ بے شک اس کے لئے ایک صورت یہ تھی کہ وہیں تحفظی تدابیر اختیار کئے جائیں۔ مگر اس میں تصادم کے امکانات بہت قریب تھے۔ لہٰذا جس طرح مدینہ سے نکل کر آپ نے ثابت کر دیا کہ مجھے جنگ کرنا منظور نہیں ہے۔ اسی طرح اس وقت جب حج قریب تھا مکہ معظّمہ سے مہاجرت کر کے ثابت کر دیا کہ میں صعوباتِ سفر برداشت کروں گا۔ لیکن خود جہاں تک ممکن ہوگا۔ جنگ کا موقع پیش نہ آنے دوں گا۔

امام حسینؑ کوفہ روانہ ہوتے ہیں کیا آپ نے کوئی تیاری کی ہے؟ سامان جنگ کیا ہے؟ کچھ نہیں بلکہ اس کے خلاف ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے ساتھ مخدراتِ عصمت ہیں، بچے ہیں، متعلقین ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر امن رہنا چاہتے ہیں۔ صبر وسکون منظور ہے، جنگ کے لئے نہیں جارہے ہیں۔

متعلقین کو اپنے ساتھ لے کر سفر پر آمادہ ہونا یہ اعلان تھا امن پسندی کا یہ اعلان تھا اس امر کا کہ ہم جنگ کا خیال تک دل میں نہیں رکھتے۔ اگر جنگ کا ارادہ ہوتا تو عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے۔

راستہ طے ہونے لگا۔ کوفہ خطوط روانہ کئے گئے کہ ہم آرہے ہیں۔ مگر وہاں حالات میں تبدیلی ہو چکی ہے۔ جناب مسلمؑ سے فضا مخالف ہو چکی اور ان کی شہادت بھی ہو گئی۔

رسالت مآبؐ نے جس طرح سے امن پسندی کا ثبوت دیا تھا وہی طرزِ عمل ان کے فرزند کے یہاں نمایاں ہے۔

رسالت مآبؐ جب مکہ معظّمہ کے قریب پہنچے تھے تو مخالف جماعت کے لشکر پر نظر پڑی تھی اور آپ نے اپنے راستہ کو بدل دیا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ ہمیں لڑنا منظور نہیں ہے۔ اسی طرح حسینؑ جارہے ہیں اور سامنے سے حر کا لشکر آتے ہوئے نظر پڑا تو آپ نے راستہ بدل دیا اور انہی طرف کا رخ کر کے ذوحسم کے پہاڑ کے دامن میں جا کر قیام کیا۔(۱)

اس راستہ کے بدل دینے سے کیا یہ مطلب نہیں ثابت ہوتا کہ اگر تم ہم سے کوئی روک ٹوک نہ کرتے تو ہم کوفہ جانے کے لئے تیار تھے۔ مگر جب یہ سامان ہے تو چونکہ ہمیں جنگ منظور نہیں ہے ہم کوفہ نہ جائیں گے، کسی دوسری طرف چلے جائیں گے۔

بے شک رسولؐ کی مخالفت جماعت چونکہ خود جنگ کا جوش نہ رکھتی تھی اور صرف جذبۂ عناد سے مجبور ہو کر مقابلہ پر آئی تھی۔ اس لئے اس نے جب حضرتؐ کو راستہ چھوڑتے ہوئے دیکھا تو واپس آگئی مگر یہ آنے والی فوج خود تشدد پر آمادہ اور

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''مجاہدۂ کربلا، ص ۷۹''

رواداری وصلح پسندی سے علیٰحدہ تھی۔اس لئے جدھر آپ کو متوجہ دیکھا اسی طرف یہ لشکر بھی متوجہ ہوگیا۔

یہ ایک ہزار کی جمعیت تھی جو حر بن یزید ریاحی کی قیادت میں حصین بن تمیم افسر افواجِ قادسیہ کی طرف سے روانہ کی گئی تھی۔ (عام طور سے واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں حصین بن نمیر کا نام لیا جاتا ہے اور اس کے متعلق مختلف واقعات کی نسبت دی جاتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔)

حصین بن نمیر سکونی شام کا باشندہ اور شامی افواج کا ایک افسر تھا۔ جو وہیں دمشق میں مقیم تھا اور واقعۂ کربلا میں عراق کے حدود میں بھی موجود تھا۔

لیکن یہ حصین جس کا تذکرہ واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں ہے یہ حصین بن تمیم تمیمی ہے جو کوفہ میں کوتوال کی حیثیت رکھتا تھا اور جس وقت امام حسینؑ کے کوفہ کی طرف متوجہ ہونے کی اطلاع ملی ہے اور ابن زیاد کی طرف سے ناکہ بندی کا انتظام کیا جانے لگا ہے تو اس کو دس ہزار کی فوج کے ساتھ قادسیہ میں مقرر کیا گیا تھا۔ کہ جو شخص کوفہ میں آنا چاہے اور جو باہر جانا چاہے اس کی دیکھ بھال اور نگہداشت ہو۔

یہ قادسیہ عین راستہ میں واقع تھا اور امام حسینؑ اگر مشہور و معروف راستہ سے آتے تو پہلے آپ کو قادسیہ پہنچنا پڑتا۔لیکن چونکہ آپ غیر معروف راستہ سے آرہے تھے اس لئے قادسیہ داہنے طرف چھوٹ گیا اور مخبروں کے اطلاع دینے سے حصین کی جانب سے حر بن یزید کو آپ کے سدِ راہ ہونے کے لئے بھیجا گیا۔

عبداللہ بن یقطر اور قیس بن مسہر صیداوی اسی حصین بن تمیم کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے اور واقعۂ کربلا میں بھی جن واقعات میں حصین کا نام ہے جیسے نماز ظہر کی اجازت کے موقع پر حصین کا کہنا ''صلِّ ما بدا لک'' وہ بھی حصین بن نمیر نہیں حصین بن تمیم ہے اور یہ حصین کربلا ہی میں امام علیہ السلام کی بددعاء سے جو آپ نے فرمادی تھی ہلاک ہوگیا اور واقعۂ کربلا کے بعد کے لئے باقی نہیں رہا۔لیکن حصین بن نمیر وہ تو شام میں باقی رہا اور عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کو جو فوج روانہ کی گئی اس کا افسر ہوا اور مکہ معظّمہ کے محاصرہ اور خانہ کعبہ پر منجنیق کے ذریعہ سے سنگباری ایسے کارناموں کو اس نے انجام دیا۔

(جاری----)